عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ربیع الاول ۱۴۳۶ھ / جنوری ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: سیزدھم

شمارہ: 5

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

(موبائل فون سے ترسیل زر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی 'ایزی پیسہ' کی دوکان سے دئے گئے فون نمبر پر پیسے بھیج دیں۔ یہ پیسے یہاں اسی موبائل کی دوکان سے رسالہ کا منتظم وصول کرلے گا۔ اس پر کچھ ٹیکس بھی ہے جو مبلغ دوسو روپے کے علاوہ ہوگا)

جُہد فی اللہ اور جُہد لِلہ

(بیان حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم بسلسہ سیرت النبی جنوری ۲۰۱۴ء)

خطبۂ ماثورہ۔اما بعد

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ. فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.

(سورۃ توبہ: ۱۲۸.۱۲۹)

یقیناً تمہارے بیچ میں ایک پیغمبر آئے جو تم انسانوں کی جنس میں سے ہیں، تمہیں تکلیف ہو تو ان کو بڑی کوفت ہوتی ہے اور تمہیں خیر پہنچنے کی ان کی بہت زبردست چاہت ہے اور مؤمنین کے لئے تو اس کے علاوہ بہت ہی مہربان اور نرم ہیں۔تو ایسے رسول سے اگر تم روگردانی کرو گے تو پھر اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو میرا اللہ کافی ہے جو اتنے بڑے عرش کا مالک ہے، میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے۔

سیرت کے موضوع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشنگوئیاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور تعلیمات کی بحث کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا تذکرہ آتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قرآن کی صورت میں ہیں اور قرآن ایک معجزہ ہے۔اس معجزہ نے چودہ سو سال سے لوگوں کو عاجز کیا ہوا ہے اور ہر صدی اور ہر دور میں اس کا کوئی نہ کوئی ایسا پہلو سامنے آتا ہے جو اس بات کا اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ یہ معجزہ نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے۔اِس دور کے مختلف سائنسی مضامین والوں نے مختلف آیات کے بنیادی مضامین کو لے کر کئی کتابیں لکھی ہیں اور کہا ہے کہ ہماری عقلیں حیرت سے دنگ رہ گئی ہیں کہ اتنی عجیب وغریب باتیں جن تک ہم کتنی ہی تحقیقات کے بعد پہنچے ہیں وہ اس میں چودہ سو سال پہلے اتنی سادہ زبان میں بیان ہوئی ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جدوجہد کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک کو کہتے ہیں جُہد فی اللہ

اور ایک جُہد لِلّٰہ۔ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد دنیا کے Reformers (مصلح)، لیڈروں اور تحریکوں کی طرح نہیں ہوتی کہ وہ صرف بولیں اور لوگوں کو جمع کریں اور Gathering ہو، عوام کی تائید حاصل کریں اور آگے بڑھیں اور چیزوں کو حاصل کریں۔ ان کی جدوجہد اس حد تک محدود نہیں ہوتی۔ انبیاء کی جدوجہد کا ایک پہلو ہے جُہد فی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں جدوجہد کرنا یعنی اللہ کی محبت، اللہ کی یاد، اللہ کا دھیان، اس کے حضور کھڑا ہونا، راتیں جاگ کر کاٹنا، راتوں کو نماز میں کھڑا ہونا، ذکر میں لگنا اور اللہ کی یاد میں لگنا، یہ جُہد فی اللہ ہے۔ اللہ کی ذات کے لئے اپنی ذات سے محنت اور مشقت کرنا۔ اپنی ذات سے اللہ کو یاد کرنا، اپنی ذات سے اللہ کے حضور کھڑے ہونا، لمبی نماز پڑھنا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، اس میں غور و فکر کرنا اور اس طرح اللہ کی پہچان کو بڑھانا اور اللہ کا قرب حاصل کرنا، یہ جُہد فی اللہ ہے۔ آپ ﷺ کا جُہد فی اللہ ایسا تھا کہ ساری ساری رات کی نماز، چھ چھ پارے کی رکعات، اتنی لمبی نماز کہ پاؤں مبارک مسلسل کھڑے رہنے سے سوج جاتے۔ سارے کے سارے انبیاء کی جدوجہد کا ایک پہلو جُہد فی اللہ ہوتا ہے۔

ان عقائد، اعمال اور اس دین کو پھیلانے کے لئے عوام میں کوشش کرنا جُہد لِلّٰہ ہے۔ اللہ کے لئے اس بات کو، اللہ کے کلمہ کو، اس دین کو، اللہ کے پیغام کو آگے پہنچانے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا جُہد لِلّٰہ ہے۔ آپ ﷺ کے جُہد لِلّٰہ میں ایک جُہدِ انفرادی ہے، ایک جُہدِ اجتماعی ہے اور ایک جُہدِ عسکری ہے۔ انفرادی دعوت، اجتماعی دعوت اور عسکری دعوت۔ آپ ﷺ کی جدوجہد کے یہ دو پہلو ہیں۔ جُہد فی اللہ ہے اپنی ذات سے جدوجہد کر کے اپنی معرفت کو بڑھانا اور اللہ کی عبادت، اللہ کی یاد، قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرنا، گویا اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا اور بڑھانا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا۔ جُہد لِلّٰہ دین کے پھیلانے کے لئے محنت کوشش کرنا ہے۔

جُہد لِلّٰہ انفرادی ہے، اجتماعی ہے اور عسکری ہے۔ دس سال تک ایسے حالات رہے کہ آپ

اجتماعی طور پر دعوت نہیں دے سکے بلکہ ایک، ایک آدمی کو، دو دو آدمیوں کو دعوت دیتے رہے۔ اس دس سالہ دور میں صرف ایک کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے دعوت دینے کا واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں دعوت انفرادی ہے۔ ایک ایک آدمی سے مل کر ان سے بات کرنے کے علاوہ حج میں آئے ہوئے لوگوں میں آپ نے کام کیا، اس میں لوگ مسلمان ہوئے، دوسرے سال پھر حج پر آئے ہوئے لوگوں میں کام کیا تو بیعت عقبہ والے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس طرح عرصۂ دراز تک آپ ﷺ کی دعوت انفرادی طور پر چلتی رہی اور ایک ایک، دو دو آدمی مسلمان ہوتے رہے۔

انفرادی و اجتماعی اور عسکری دعوت کے علاوہ جُہد کا ایک شعبہ تعلیم ہے۔ دن میں آپ ﷺ کام کرتے، آپ ﷺ کے ساتھی بھی چاروں طرف کام کرتے، دکانوں میں، بازاروں میں، کھیتوں میں، جہاں جہاں بھی لوگ موجود ہوتے ان کے پاس جا کر بیٹھتے، تعلق جوڑتے پھر اس کے بعد دین کی بات کرتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو اپنے ساتھ لے لیتے تھے کہ تو میرا تعارف کرا دینا پھر میں اس آدمی سے بات کرلوں گا۔ ساتھی ان کا تعارف یوں کرا دیتا کہ آپ کو پتا ہے یہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہے، قبیلہ بنو تیم کا آدمی ہے، مکہ مکرمہ میں بڑے معززین میں سے ہے، قتل کے مقدموں میں جب فیصلہ ہوتا ہے تو وہ ان کا خاندان کیا کرتا ہے اور یہ اس جرگے کے بڑے ہیں، یہ فلاں فلاں خصوصیات والے آدمی ہیں اور بڑے اچھے آدمی ہیں اور بڑی اچھی باتیں کیا کرتے ہیں، آپ بھی ان کی باتیں سنیں! یہ دعوت کا ایک طرز ہوتا ہے۔ پھر جب وہ پوچھتے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تو یہ عرض کرتے کہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھیں آپ بتوں کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں تو کیا کبھی بتوں نے آپ سے بات کی ہے؟ وہ لوگ کہتے کہ کبھی نہیں کی۔ یہ پوچھتے کہ کیا کسی بڑے سے یا کسی اور نے یا کسی کے تجربے میں یہ بات آئی ہو کہ بت باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے نہیں جی کبھی نہیں۔ پھر یہ پوچھتے کہ کیا ایسا ہوا کبھی کہ ان بتوں نے کوئی فائدہ پہنچایا ہو یا کوئی نقصان پہنچایا ہو؟ وہ لوگ پھر کہتے کہ کبھی نہیں۔ تو یہ استدلال کا ایک

طریقہ ہوتا۔اس طرح آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی انفرادی دعوت ہوتی۔

اس انفرادی دعوت کے نتیجے میں جو لوگ مسلمان ہوتے وہ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر جمع ہوتے۔آج کل ہم جہاں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتے ہیں وہ گھر اس جگہ میں آگیا ہے۔حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر رات کو جمع ہو کر آدھی رات، تہائی رات یا پوری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاتی تھی۔نماز تو دسویں سال میں واقعۂ معراج کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ موجودہ شکل میں پانچ وقت فرض ہوئی ہے لیکن پہلی وحی میں ہی اس کے پڑھنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔یَا أَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ اللَّیْلَ إِلَّا قَلِیْلاً (المزمل: ۱۔۲) اے کمبل اوڑھنے والے! رات کو کھڑا رہو مگر تھوڑا۔جس وقت آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو ساری ساری رات نماز ہوتی جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دن کو کام اور مزدوریاں کر کے تھکے ہوئے آتے تھے تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ آدھی رات کھڑے ہوں یا اس سے بھی کم کر دیں کیونکہ آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو اتنی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اس لئے ان سے اتنی لمبی نماز برداشت نہیں ہوتی۔تو تہجد کی نماز پہلی وحی کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔دارِ ارقم میں رات کو تہجد کی نماز، اس میں قرآن جیسا کلام، پڑھنے والی رسول اللہ ﷺ کی زبانِ فیض ترجمان، سننے والے عربی کے ماہرین اہلِ زبان، تو اس کا کیا سماں بندھتا ہوگا۔آج کل کے ہمارے قاری صاحبان بھی جب پڑھتے ہیں تو جن لوگوں کو ترجمہ آتا ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر نماز کے احکامات کے خلاف نہ ہوتا تو میں نے چھلانگیں لگائی ہوتیں اور نعرے لگائے ہوتے۔تو یہ آپ کی عبادت اور تعلیم کی مجلس تھی۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے پہلی اجتماعی دعوت کا تقاضہ کیا تو سب جمع ہوئے، لوگوں کو جمع کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بیت اللہ شریف کے آگے کھڑے ہو کر بیان شروع کیا۔بیان شروع کرنا تھا کہ سارے کافر آ کر پل پڑے اور لاتوں سے اور گھونسوں سے اتنا مارا کہ بیہوش کر کے گرا دیا۔ان کا بدن پھول گیا اور اتنی تکلیف ہو گئی کہ ان کے قبیلے والوں کا خیال ہوا کہ یہ تو تھوڑی دیر کے مہمان ہیں اور مر جائیں گے۔انھوں نے اعلان کیا کہ

اگر ہمارے قبیلے کا آدمی مر گیا تو ہم فلاں فلاں آدمی جنھوں نے بہت ظلم کیا ان کو ضرور قتل کریں گے۔ یہ پہلی اجتماعی دعوت تھی جس میں اتنی مشکلات پیش آئیں۔ نبوت کے دسویں برس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مسلمان ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اب دارِ ارقم سے باہر تشریف لائیے، ہم بیت اللہ شریف کے باہر کھڑے ہو کر علانیہ نماز سے پڑھیں گے اور اگر کسی کے اندر اتنا زور ہے اور اتنی طاقت ہے تو آئے اس کو روکے، میں دیکھتا ہوں کیسے روکے گا۔ یہاں سے اجتماعی دعوت شروع ہوئی ہے۔ یہ جُہد لِلّٰہ کا دوسرا شعبہ تھا۔

اجتماعی دعوت کے بعد حالات اتنے مشکل ہوئے ہیں کہ ہجرت کرنا پڑی۔ وہاں رہ کر امن و امان سے اور اطمینان سے زندگی گزارنا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے کرنا ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے جس دور میں بھی مسلمانوں پر کسی ملک میں ایسے حالات ہو جائیں کہ وہاں پر آزادی سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کر سکتے ہوں اور آزادی سے زندگی نہ گزار سکتے ہوں تو ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ لٰہذا ایسی جگہ چلے جائیں جہاں دین پر عمل کرنے میں مشکلات نہ ہوں۔ مکہ سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ کی فضا کو سازگار کیا۔ مدینہ والوں نے مہاجرین کے ساتھ نصرت کی۔ ان کی نصرت دو طرح کی ہے۔ ایک جانی اور مالی نصرت ہے اور دوسری فکری نصرت ہے یعنی ان کے ساتھ مل کر کام کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کھانا کھلایا، کپڑے دیئے، رہنے کے لئے جگہ دی، یہ تو جانی و مالی نصرت ہے، اس کے نتائج اتنے زیادہ نہیں نکلا کرتے۔ اصلی نصرت فکری نصرت ہوتی ہے یعنی ان کے ساتھ مل کر کام کرنا۔

جس وقت انفرادی و اجتماعی دعوت، تعلیم اور جہد فی اللہ اور جُہد لِلّٰہ کی یہ منزلیں مکمل ہوتی ہیں تو پھر اس سے اگلا قدم یعنی عسکری دعوت کا دروازہ کھلتا ہے۔ عسکری دعوت ان لوگوں کے ذمے ہے جن کی اتنی قوت ہوگئی ہو کہ وہ اہلِ کفر کو کہ جن کے پاس حکومتیں ہیں، اسلحے ہیں، لشکر ہیں، ان کو اپنے اسلحے اور لشکر کے ساتھ جا کر دعوت دے سکیں۔ عسکری دعوت کیا ہے، اس پر انشاء اللہ آئندہ جمعہ بحث کریں گے۔

عبادات اور منہج اعتدال (یعنی درمیانی راہ) (قسط۔۳)

(مولانا محمد طفیل صاحب، مدرس مظاہر العلوم و مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

انفاق اور منہج اعتدال

بدنی عبادات کی طرح مالی عبادات میں بھی شریعت کا مزاج اعتدال پر مبنی ہے۔شریعتِ مطہرہ نے ہر شخص کی ذاتی ملکیت کا احترام کیا ہے اور جہاں ایک طرف صاحبِ ثروت لوگوں کے اموال میں غرباء کا حق رکھا ہے، انھیں زکوٰۃ، عشر، صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ کا پابند بنایا ہے، ان فرائض کی انجام دہی پر اعزاز و اکرام اور انعامات کے مژدے سنائے ہیں اور ان میں کوتاہی کو سخت جرم بتلایا ہے، وہاں ان میں غلو اور افراط سے بھی روکا ہے۔شریعت نہ تو یہ چاہتی ہے کہ انسان کا قلب دنیا اور مال کی محبت کا گھوارہ ہو، اسے یہ ہرگز منظور نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام نے دنیا کی محبت کو ہر برائی کی جڑ قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔(ترمذی:2336) آپ ﷺ نے دنیا کو مردار جانور اور اسے حلال حرام کی تمیز کے بعد (اندھا دھند) طلب کرنے والوں کو کتوں سے تشبیہ دی ہے۔(کشف الخفا:1313۔ قال العجلانی: اقول وان کان معناہ صحیحاًلکنہ لیس بحدیث) آپ ﷺ نے صحابہؓ سے دوٹوک فرمادیا تھا کہ مجھے فقر کی وجہ سے تمہاری ہلاکت کا کوئی خوف نہیں لیکن میں تم پر دُنیا کی ایسی وسعت سے خوف کھاتا ہوں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر وسیع ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ گئے۔(بخاری:4015)

یہود و نصاریٰ مال کے ایسے پجاری تھے کہ اسے بٹورنے کے واسطے آسمانی تعلیمات میں تحریف سے بھی نہیں کترائے۔قرآن مجید نے سورہ توبہ میں انکے اس لالچی اور حریصانہ رویّے کا نقشہ کھینچا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ انکے اکثر علماء اور راہب باطل اور غلط طریقے سے لوگوں کا مال

ہتھیاتے ہیں۔(البقرہ:34)

جب انسان کا یہ مزاج بنتا ہے تو مال کے اندر فرض اور واجب حق کی ادائیگی میں بھی کوتاہی برتتا ہے۔ جولوگ مال کی محبت میں پڑ کر اس کے فرض، واجب حقوق میں کوتاہی اور تفریط کریں اُن کے لئے سخت وعیدات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اور جو لوگ خزانہ کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، سو ان کو خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کی، جس دن کہ دوزخ کی آگ دہکائیں گے اس مال پر، پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (اور کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے خزانہ کر کے رکھا تھا اپنے واسطے، اب مزہ چکھو اپنے خزانے کا۔(التوبہ:34)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''جو لوگ دولت اکھٹی کریں خواہ حلال طریقے سے ہو مگر اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہ کریں یعنی زکوٰۃ ادا نہ کریں اور اس کے واجب حقوق نہ نکالیں تو ان کی یہ مذکورہ سزا ہے، بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستے میں خرچ کرنے کا کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں، زیادہ کہو تو اعراض کر کے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، اس لئے سونا، چاندی تپا کر ان کی تین جگہوں کو داغا جائے گا تاکہ مال کا مزہ چکھیں۔(تفسیر عثمانی)

جو لوگ مالی فرائض و واجبات میں کوتاہی برتتے ہیں وہ بخیل ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے بخیل کے بارے میں فرمایا کہ بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ کے قریب ہے۔(ترمذی:1961)

حُبِ دنیا سے جنم لینے والے بخل، لالچ اور حرص جیسے مہلک امراض کی شریعت نے مذمت فرمائی ہے اور ان عادات رذیلہ کو منافقین کے شیوہ کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ مالی عبادات میں تفریط اور کوتاہی کا باعث بنتے ہیں۔ مالی عبادات کی اس درجہ اہمیت کے باوجود ان کی بھی حدیں

مقرر کردیں گئیں تا کہ یہ اہم فرائض افراط کا شکار ہو کر مزاج شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

ذخیرہ احادیث میں بہت سے ایسے مواقع کا ذکر ملتا ہے جب بعض صحابہؓ نے اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تمنا ظاہر کی لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے اس جذبہ پر عمل کرنے سے روکا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ اس دوران ایک آدمی انڈے کی طرح سونے کی ڈلی لیکر آیا۔ اُس نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ مجھے خزانے سے حصّہ میں آئی ہے، اس کو بطورِ صدقہ لے لیں، میں اس کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔'' پس آپ ﷺ نے اُس سے اعراض فرمایا، وہ پھر دائیں جانب سے آیا اور وہی بات کہی تو آپ ﷺ نے اُن سے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ بائیں جانب سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ آپ ﷺ کی پشت مبارک کی جانب سے آیا تو رسول ﷺ نے اُن سے وہ ڈلی لی اور اُن پر دے ماری، اگر وہ انھیں لگتی تو زخمی کرتی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنا سارا مملوکہ مال لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھ کر لوگوں سے دستِ سوال دراز کرتا ہے (اور مانگتا پھرتا ہے) بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد مالداری باقی رہے۔ (بخاری:1426، ابوداؤد:1673)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے لکھا ہے: ''اس سے پتہ چلا کہ مقتداء لوگوں کو سارا مال خرچ کرنے سے روکے اور اگر کوئی سارا مال خرچ کرنے کے لئے پیش کرے تو اُسے قبول نہ کرے جبکہ خرچ کرنے والے کی ہمت وصبر کے لحاظ سے اسے مناسب نہ سمجھے۔

(بذل المجھود، ج:3،ص:58)

بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ میں علالت، دل کی تکلیف اور پورے مال کے خرچ کرنے کا مفصل واقعہ موجود ہے۔ جب آپؓ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اجازت دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا: وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ یعنی تہائی مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت اگرچہ جائز ہے مگر

تہائی بھی زیادہ ہے۔(بخاری:2742)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا جنگ تبوک سے پیچھے رہنے اور توبہ کرنے کا واقعہ بھی بخاری شریف میں تفصیلاً مذکور ہے۔ جب ان کی قبولیتِ توبہ سے متعلق سورۃ توبہ کی آیت اتری تو حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہی ہے کہ میں ساری جائیداد اللہ کے راستے میں صدقہ کردوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔''(بخاری:4676)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی اپنی حدود ہیں اور ایسا صدقہ ہرگز مطلوب نہیں جس میں حد اعتدال سے تجاوز ہو۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل صدقہ اُس دینار کو فرمایا ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا جائے۔ (ترمذی:1966) لہٰذا پہلا فریضہ اپنے اہل وعیال کے فرض، واجب نفقہ کی ادائیگی ہے اور اگر صدقہ کی سہولت ہو تو اُس میں بھی بہتر یہی ہے کہ اہل وعیال اور خاندان والوں پر تقسیم کیا جائے اور اُنہیں دیا جائے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے باغ وقف کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقارب پر خرچ کرنے کی تاکید کی، اس لئے آپ نے اپنے چچازاد بھائیوں میں اُسے تقسیم فرمادیا۔(بخاری:1461)

آج کل یہ بے اعتدالی عام ہے کہ دینی کاموں میں حد درجہ مصروفیت اور مال خرچ کرنے کے باعث اہل وعیال کے حقوق ضائع ہونے لگتے ہیں، اسے قربِ الٰہی سمجھا جاتا ہے اور تقویٰ، نیکی اور قربانی کا نام دیا جاتا ہے، حالانکہ نفل اور مستحب درجہ کے کاموں کے لئے بھاری قرضے لینا اور اہل وعیال کے ضروری حقوق میں کوتاہی برتنا کسی طرح مزاج شریعت کے موافق نہیں اور نہ ہی کوئی دین کا اس درجہ ٹھیکدار ہے کہ حفاظت واشاعتِ دین کے عنوان سے اپنی ساری جمع پونجی یکسر ختم کر دے اور اپنے اہل وعیال پر فقر کے دروازے کھول دے۔ بس اس حد تک اللہ کے راستے میں خرچ کرے جس کو شریعت نے متعین کردیا ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد آپ کی مالی پوزیشن بحال رہے اور

وہ اتنی متاثر نہ ہو کہ آپ آئندہ کارِ خیر میں شرکت کے قابل ہی نہ رہیں یا ضروری حقوق کو ضائع کرتے پھریں۔

ہمارے استاذ جی مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے تھے کہ عموماً مال خرچ کرنے کی ترغیب میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بطور استدلال ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس واقعہ کا ذکر کر کے لوگوں کو پورے مال کی قربانی کی ترغیب دینا درست نہیں کیونکہ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا مال خرچ کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ انھوں نے سارا مال خود پیش فرمایا، ہاں! دیگر صحابہؓ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال رد نہیں فرمایا بلکہ سارا مال قبول فرمالیا کیونکہ آپ مقامِ صدیقیت پر فائز تھے اور خلیفۃ الرسول تھے، اس لئے اس مقام کی حرص عام اُمتی کے لئے مشکل ہے کیونکہ وہ سارا مال خرچ کرنے کے بعد آنے والے شدائد و مشکلات کا سامنا نہیں کر پائے گا۔ لہٰذا عوام کو اس واقعہ کی بنیاد پر سارا مال خرچ کرنے کی ترغیب دینا یا اس قدر مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا کہ جس سے ضروری مصالح فوت ہوں نہ صرف یہ کہ مناسب نہیں بلکہ غلو و افراط میں داخل ہو کر شرعاً ٹھیک نہیں اور یہ مزاج قابلِ ترک ہے۔ اس مجموعہ میں روایات کو پیشِ نظر رکھ کر اور جادۂ اعتدال کو تھام کر چلنے کی ضرورت ہے۔

یہ عملی اعتدال سے متعلق چند گزارشات تھیں جن سے عبادات و اعمال میں شریعت کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب ان اہم عبادات میں افراط و تفریط کی گنجائش نہیں تو دیگر دین کے شعبوں میں غلو کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔ اللہ رب العزت توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ (آمین)

(ختم شد)

درسِ عبرت

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن قبر میں ہوگا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

ملفوظاتِ شیخ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۶۵)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

اللہ والے بزرگ کی کرامت:

فرمایا کہ ہمارے گاؤں کی ایک محترم خاتون تھیں، اُن کے لئے میں نے ۱۹۹۵ء میں حجِ بدل کیا تھا۔ انھوں نے پیغام بھیجا کہ ڈاکٹر فدا سے کہو کہ تیاری کرے اور میرا حجِ بدل کرے۔ اُن کے گردے ناکارہ ہو گئے تھے اور Chronic Renal Failure کی مریضہ تھیں۔ میں اُن کے لئے دُعائیں مانگتا رہا، وہاں پر بھی اور یہاں پر بھی، کہ یا اللہ! شفا دے دے۔

ایک دفعہ محکمۂ مالیات (Finance Department) نے کچھ میڈیکل بل پاس کرنے سے پہلے میرے پاس رائے کے لئے بھیجے۔ ایک بل کی مالیت بہت زیادہ تھی۔ یہ بل ایک ڈاکٹر صاحب کی والدہ صاحبہ کا تھا جن کے گردے فیل تھے۔ چونکہ اس سے مریض پر بہت خرچہ ہوتا ہے اس لئے اس کا بل میں نے پاس کروالیا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ان کا بیٹا آیا۔ میں نے کہا مجھے تو نہیں پتہ تھا کہ آپ کا ہے لیکن چونکہ آپ کا حق تھا اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس کو پاس کریں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اب آپ کی والدہ صاحبہ کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ اب اللہ کا فضل ہو گیا ہے۔ چراٹ میں ایک بزرگ تھے، انھوں نے ایک پودا بتایا، اس کی جڑیں ہم نے نکالیں، ان کو ابالتے ہیں اور پلاتے ہیں اور ڈائلیسس سے ہم فارغ ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارا بھی ایک مریض ہے ہمیں بھی بتا دیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہر جگہ اُگتا ہے، اس نے مجھے یونیورسٹی میں وہ پودا دکھایا۔ ہم نے نکالا اور تین مریضوں پر اس کو استعمال کیا، دو کو فائدہ ہوا۔ یوریا ۱۲۰ سے ۶۰ پر آ گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ یہ پودا زمین پر موجود تھا لیکن ہمیں پتہ نہیں تھا، یہ اُن بزرگوں کی کرامت تھی یا انہوں نے دُعا مانگی کہ اللہ نے اُن پر کھول دیا۔ ان کے ذریعے ہم تک پہنچ گیا۔

قرآن ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس نے چودہ سو سال سے انسانوں کو عاجز کرر کھا ہے:

فرمایا کہ قرآن ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس نے چودہ سو سال سے انسانوں کو عاجز کرر کھا ہے۔انسان چاند پر پہنچ گئے اور کمپیوٹر اور قسم ہا قسم کی چیزیں ایجاد ہوگئیں۔انسان محیر العقول کام کرتے ہیں کہ ہوا میں چلتے ہوئے جہاز کی Refuelling کرتے ہیں یعنی اس میں پٹرول ڈالتے ہیں اور چلتی ہوئی مشین کو چاند پر یہاں سے ٹھیک کرتے ہیں۔ریموٹ کنٹرول سے اس کو چالو کرتے ہیں، روکتے ہیں لیکن قرآن پاک کا جواب نہ لا سکے، عاجز کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندوں کے علاوہ ہر کسی کے باطن پر دھیان کرکے فیض لینے کی کوشش نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے:

فرمایا کہ ثاقب صاحب (سلسلے میں بیعت مُرید) کہہ رہا تھا کہ ہمارے مہمان آئے ہوئے تھے، میں نے اُن کے قلب کی طرف دھیان کرکے اُن کا اثر لینا چاہا۔میں نے اُسے کہا کہ ایسے ہر کسی سے فیض نہ لیا کرو، بعض اوقات کمزور اعصاب والے کو اعصابی تکلیف ہونے کا خطرہ ہوتا ہے،سوائے اُن لوگوں کے جن کے بارے میں پکا یقین ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق والے ہیں اور ان کے باطن میں جو خیالات کی رِیل چل رہی ہے اُس میں غیرُ اللہ نہیں ہے، معصیت نہیں ہے، شہوت نہیں ہے، ایسے لوگوں کے باطن پر دھیان کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تربیت السالک کی تینوں جلدوں اور دوسری تصانیف میں اس پر پوری بحث کی ہوئی ہے۔ایک آدمی نے اُن کو خط لکھا کہ میرے بیٹے کی وفات ہوئی ہے اور اُس کی یاد میں بہت پریشان ہوں، بہت غم میں ہوں۔ان کو جواب میں فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کے دھیان کو قلب سے ہٹا کر اپنے خاندان میں اُس کے کسی ہم عمر کا دھیان لایا کرو تا کہ وہ غم زائل ہو جائے۔اگر آدمی غم کو مسلسل دل میں جمائے تو ایک ہفتے میں دل کا مریض بن جائے گا، دل کی بیماری کا فیض پالے گا۔

اصل کے ساتھ جعلی چیز ہر جگہ چلتی ہے:

فرمایا کہ سچ بات ہے کہ اصل کے ساتھ جعلی چیز ہر جگہ چلتی ہے۔ گاؤں میں ہی بھتیجے نے مجھ سے کہا کہ فلاں چیز ہم نے بیچی تھی، وہ آدمی گھر پر آ کر پیسے عورتوں کو دے کر چلا گیا۔ میں گھر آیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں جعلی نوٹ دے کر نہ چلا گیا ہو۔ میں پیسے لے کر فوراً بینک چلا گیا، بینک والوں کا تجربہ ہوتا ہے کہ گنتے ہوئے اُن کو انگلیوں میں اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ نوٹ اصلی ہے یا جعلی۔ بینک والوں نے اصلی جعلی کی پرَکھ سیکھی ہوئی ہے، ہمیں پرَکھ نہیں ہے۔ ہمیں کوئی جعلی نوٹ دے کر چلا جائے تو ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے ہم مقاصد کو بار بار واضح کرتے ہیں کہ مقاصد سامنے آئیں اور انسان کی توجہ انہی کو حاصل کرنے میں لگے۔ ماہرین تو مقاصد کو جانتے ہیں اور آدمی کی پرَکھ مقاصد کی لائن پر کرتے ہیں۔ مقاصد سمجھ لئے اور حاصل کر لئے تو آدمی بن گیا۔

پشاور میں پنجاب سے ایک آدمی آئے، ایسے بیان کئے اور ایسی تقریریں کیں کہ لوگوں کو بہت متاثر کیا اور کئی جماعتیں نکالیں۔ کسی نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے؟ کہا کہ مقصد تو دِین کا کام ہے اور ساتھ کچھ کاروبار کا بھی اِرادہ ہے۔ اب لوگوں سے پیسے جمع کئے، کسی سے ایک لاکھ، کسی سے دو لاکھ، چھ لاکھ، بارہ لاکھ۔ اب ہر مہینے اُن کو... کسی کو دس ہزار، کسی کو بیس ہزار روپے دیتے کہ یہ منافع ہوا ہے۔ لوگ بڑے خوش تھے، کہتے کہ دیکھیں نا! ایسے بھی اللہ والے ہوتے ہیں۔ اور سُود کے مقابلے میں یہ مضاربت کا نظام بہت مفید ہے۔ اس طرح اُس نے لوگوں کا اعتبار حاصل کیا اور کوئی دو کروڑ روپے تک جمع کر لئے۔ کسی سادہ لوح تبلیغی امیر صاحب نے بیان کے زور اور جماعتوں کے نکالنے کی مہارت اور ٹرِک (trick) سے متاثر ہو کر رشتہ بھی دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد آدمی بال بچے چھوڑ کر دو کروڑ روپے سمیت غائب ہو گیا۔ دو آدمی جن کے چھ اور بارہ لاکھ تھے، انہوں نے بڑی مشکل سے کوئٹہ میں ڈھونڈ نکالا۔ ایک بازار میں ملاقات ہوئی، اُس نے جونہی دیکھا تو کہا: ’’سبحان اللہ! پشاور کے بزرگ آئے ہیں، میں آپ کے لئے فروٹ لاتا ہوں‘‘ یہ کہا اور آدمی

غائب ہو گیا۔ بارہ لاکھ والے کو تو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور دوسرے کی نیند اُڑ گئی۔ اب پچھتاوے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اسے پکڑ کر پشاور لائے، بہت پٹائی کی لیکن پٹائی سے تو پیسے انسان سے برآمد نہیں ہو جاتے۔ آخر اس سے پوچھا کہ وہ دو کروڑ روپے کدھر گئے؟ اس نے کہا کہ میں جو لنگر چلاتا تھا، مرغ پلاؤ کھلاتا تھا اور جماعتیں نکالتا تھا اور وہ جو نفع کے پیسے تقسیم کرتا تھا تو یہ وہی پیسے ہوتے تھے نا!

قرآن کا نزول:

فرمایا کہ قرآن کا نزول جب شروع ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے لکھوانے کا بندوبست فرمالیا اور لکھا جانے لگا۔ پتھر کی سلوں پر، شانے کی چوڑی ہڈیوں پر اور کھجور کی شاخوں پر اور چمڑے پر لکھا گیا۔ کھجور کے پتوں پر نہیں بلکہ اُس کا جو ڈنٹھل ہوتا ہے اُس پر لکھا جاتا تھا۔ نازل ہوتے ہی آپ ﷺ کاتبِ وحی کو بلاتے تھے اور اُن سے لکھوا لیتے تھے۔ پھر آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑھ کر سناؤ، سناتے اگر اس میں کوئی کمی کوتاہی رہ گئی ہوتی تو اُس کو دُرست فرماتے تھے اور وہ آدمی اس کو بطور یادگار اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اور اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس یادگار کو لکھتے ہوئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں۔ تو نزول ہوتا رہا ہوتا رہا اور اس طرح کا ریکارڈ مختلف کاتبینِ وحی کے پاس تیار ہوتا رہا اور اُن سے اور لوگ بھی لکھتے رہے۔ سارا دن اُس کو سناتے رہتے تھے، مذاکرہ کرتے رہتے تھے مثلاً آج چار آیتیں نازل ہوئی ہیں اور ایک صحابیؓ نے سنی ہوئی ہیں تو وہ جن دس آدمیوں سے ملے تو دس بار سنایا انہوں نے اُن آیات کو۔ وہ دس سنتے تھے اور آگے اور لوگوں کو سناتے تھے۔ پھر کہیں کوئی زبر زیر کی غلطی حافظ سے ہو جاتی تو دوسرا آدمی کہتا کہ اس وقت میں آپ کے ساتھ تھا وہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا ہوا ہے تو اسی وقت اُس کو دُرست کر لیتے۔ اور اگر وہ کہتا کہ مجھے تو اسی طرح یاد ہے تو دوسرا کہتا کہ لکھا ہوا دیکھ لیتے ہیں اور پھر لکھے ہوئے کو دیکھ کر غلطی والا اپنی تصحیح کر لیتا۔

اسی طرح کرتے کرتے جس وقت آپ ﷺ کا دُنیا سے پردہ فرمانے کا وقت ہوا تو آخری آیتیں نازل ہو کر محفوظ ہو گئیں۔ ہر سال رمضان کے مہینے میں جبرئیل علیہ السلام آ کر جتنا قرآن اُس وقت تک نازل ہوا ہوتا تھا حضور ﷺ کو پڑھ کر سناتے تھے اور ایک بار حضور ﷺ پڑھ کر سناتے تھے۔ اور اس میں صحابہ کرامؓ بھی اپنے مخطوطے لے کر بیٹھے ہوتے تھے اور اس کے ساتھ ٹیلی (tele) کر رہے ہوتے تھے۔ اس کو 'عرضہ' کہتے تھے۔ اس بات کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''خطباتِ بہاولپور'' میں لکھا ہوا ہے اور کسی کا حوالہ بھی دیا ہوا ہے۔ اور آپ ﷺ کے دُنیا سے رخصتی والے سال جب کہ قرآن تقریباً مکمل ہو چکا تھا، اس رمضان میں آپ ﷺ نے دو بار پڑھ کر سنایا ہے اور دو بار ٹیلی کیا ہے۔

محبتِ الٰہی:

فرمایا کہ محبتِ عقلی یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو دُنیا کے مفاد اور مزے پر ترجیح دے رہے ہیں۔ مفاد، مزے کو چھوڑ کر حکم کو لے رہے ہیں یہ محبتِ عقلی ہے کہ جب دُنیا کے مفاد کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا ٹکراؤ آئے تو آپ اللہ کے غیر کو ترک کر کے اللہ کا حکم لے لیں تو گویا آپ کی عقل اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہے، بھری ہوئی ہے، خواہ اللہ کا نام سن کر آپ کو رونا آئے یا نہ آئے، آپ چیخ ماریں یا نہ ماریں، آپ کے بدن کا بال بال اُس کے ساتھ حرکت کرے یا نہ کرے، آپ کو محبتِ الٰہی حاصل ہے۔ اسی چیز کو شریعت نے فرض کیا کیونکہ یہ بات آپ اپنے اختیار سے کر سکتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا (البقرہ: ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی جی کو اُس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔ باقی یہ بات کہ وہ تعلق آپ کو محسوس ہو، آپ کو مزہ آئے، آپ کو لطف آئے، آپ کو رونا آئے، آپ کے دل میں محبت کی لہریں آئیں، آپ کو کشش ہو، یہ بات کبھی ہو گی کبھی نہیں ہو گی۔ لہٰذا اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض بھی نہیں کیا ہے۔ ہمارے ساتھی تھے وہ یہی کہتے کہ میں بند ہو گیا ہوں، میری ترقی رُک گئی ہے۔ اُن کو میں نے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی مگر میں اُن کو سمجھا نہیں سکا۔ خیر آپ یہ

فیصلہ خود نہ کریں کہ ترقی ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ہے۔ یہ فیصلہ اُس کے ذمہ ہوتا ہے جس کی تربیت میں آدمی ہوتا ہے، یہ بات وہی بتائے گا کہ آپ کی تربیت ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے، آدمی بنا ہے یا نہیں بنا ہے۔

انسان کی رُوحانی اور علمی ضرورتیں:

فرمایا کہ انسان کی رُوحانی اور علمی ضرورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَـإِمَّـا یَـأْتِیَـنَّـکُم مِنِّی هُدًی فَمَن تَبِعَ هُدَایَ فَلا خَوفٌ عَلَیهِم وَ لاهُم یَحزَنُونَ. (البقرہ ٣٨) ’تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی‘ یہ مضارع کا صیغہ ہے، کہ قیامت تک آتی رہے گی۔ مگر اس میں قادیانیوں کے عقیدے کی گنجائش نہیں نکلتی کہ گویا قیامت تک پیغمبر آتے رہیں گے کیونکہ دوسری آیات اور احادیث نے آخری پیغمبر کہہ کر اس کو بند کر دیا۔ نظامِ ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت محکم، مستحکم اور بڑا زبردست بندوبست فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور تعلیمات آتی رہیں۔ انسانیت کا ارتقاء ہو رہا تھا اور انسانیت ترقی کر رہی تھی اس لئے پیغمبر ایک خاص دور کے لئے آتے تھے اور اُن کی تعلیمات اُسی دور کے لئے ہوتی تھیں۔ اس کے بعد وہ ختم ہو جاتی تھیں، پھر دوسرے پیغمبر آتے تھے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بچہ جب بڑا ہو رہا ہوتا ہے تو اس کے کپڑے ایسے بناتے ہیں جو زیادہ عرصہ کے لئے ہوں اور درزی سے کہا جاتا ہے کہ ذرا بڑے بناؤ کیونکہ بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور پھر پہننے کے نہیں رہتے۔ بچہ درزی سے کہتا ہے کہ بڑے نہ بناؤ پھر بُرے لگتے ہیں اور لٹک رہے ہوتے ہیں اور ہم پیچھے سے کہتے ہیں کہ وہی کرو جو ہم کہہ رہے ہیں۔ پھر ٣٥، ٤٠ سال کا ہونے کے بعد ٦٠، ٦٥ سال تک ناپ کوئی خاص نہیں بدلتا۔ پھر درزی کہتا ہے کہ جی اپنا ناپ پکا لکھوا لو پھر جب بھی آؤ تو ہمیں نمبر ہی بتایا کرو، بار بار ناپ لینے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح انسانیت ارتقاء کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنے اوجِ کمال پر آ گئی اور مزید ضرورت نہ رہی۔ اس لئے آخری تعلیمات قرآن کی شکل میں آ گئیں۔ عرب معاشرے میں لکھنے لکھانے کا رواج نہیں تھا۔ وہ زبانی بولتے تھے اور مجلس میں بیٹھ کر سنتے تھے اور یاد کر لیتے تھے۔

ان کو بڑے بڑے قصیدے اور اشعار زبانی یاد ہوتے تھے۔ یہ انساب کی معلومات رکھتے تھے کہ گزشتہ سو سال میں ہمارا خاندان، ہمارا گاؤں، ہمارا قبیلہ کس حال میں رہا، کون بڑا پہلوان گزرا، بڑا شاعر گزرا، کون سی بڑی جنگیں ہوئیں، کس نے کیا کارنامہ کیا، کس نے کیا کیا عہد کئے، یہ سارا زبانی سناتے تھے۔ ان کے حُجرے لگتے تھے، اس میں بڑے بوڑھے آکر بیٹھتے تھے۔ یہ ان کی ثقافت تھی، یہی اُن کا ادب تھا اور یہی ان کی تعلیمات تھیں۔ لیکن اسی صدی میں جب قرآن کا ظہور ہونے والا تھا، لکھنے کا رواج ہوا۔ ان کے کچھ دانشوروں نے ا ب ت ث حروف بنائے، پھر ان کی آوازوں کے ساتھ ان کی مطابقت کی کہ 'ا' اس طرح لکھیں گے اور ب کی آواز ہونٹوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور ج زبان کے تالو کے لگنے سے ادا ہوتی ہے۔ یوں آہستہ آہستہ عربی زبان لکھنے کا رواج ہو گیا۔ اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ لکھنے کا کام منشی کرتے تھے، معزز لوگ نہیں کرتے تھے، وہ تو بیٹھے ہوئے کاروبار کرتے تھے اور منشی کو کہتے کہ تُو لکھ۔ غریب غرباء لوگ منشی بننے کے لئے لکھنا سیکھ لیتے تھے کہ کوئی مزدوری مل جائے گی۔ کچھ لوگوں نے اس کو چھپ چھپا کر سیکھ لیا۔ خلفائے راشدین نے لکھنا سیکھا ہوا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھنا آتا تھا۔ اسی طرح بعضے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور معاشرے کے افراد کو لکھنا آتا تھا۔ چنانچہ یہی لوگ کاتبینِ وحی بنے ہیں۔

قحط کے حالات انسانوں کی غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوتے ہیں ورنہ عام طور سے انسان کو فاقے کی نوبت نہیں آتی:

فرمایا کہ کچھ دنوں میں گیس کا بحران آیا تو ہمارے بچے جو اس وقت کافی چھوٹے تھے سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں گے؟ جب انہوں نے ہمیں لکڑیاں جلاتے ہوئے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کہ آگ ایسے بھی جل سکتی ہے اور چیزیں پک سکتی ہیں۔ ہمیں یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا اور بچے کچھ ہوشیار ہو گئے تو میں ان کو گاؤں لے گیا۔ انہوں نے وہاں گندم دیکھی تو ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے" دا سپگو پشان شے سہ دی؟ کہ یہ جوؤں کی طرح چیز کیا ہے؟ تو ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ گندم کیا ہوتی ہے اور آٹا کیسے بنتا ہے؟ خیر جب لکڑی انسان کی (باقی صفحہ نمبر ۲۱ پر)

تبصرۂ کتب

نامِ کتاب: سوچ فکر

مصنف: حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

تبصرہ: مولانا محمد طفیل صاحب (مُدرس مظاہر العلوم و مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

اہلِ تصوف پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے کہ انہیں امتِ مسلمہ کے مسائل سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ معاشرہ کے صحیح اور غلط رجحانات پر عمیق اور حقیقت پسندانہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کو اپنے دور کے مسلمانوں کی ذہنی پریشانی اور طلب و جستجو کی بھی فکر رہتی ہے۔ اس لئے سلاسل تصوف سے ہر دور میں ایسی جامع تحریریں (comprehensive writings) منظر عام پر آتی رہی ہیں جن سے عقیدہ ونظریہ کی درستگی اور اصلاحِ اعمال واخلاق کا بڑا کافی شافی کام لیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں پہلا مؤثر قدم حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا ہے جن کی لازوال تصنیف ''احیاء علوم الدین'' کو طالبین کی اصلاح کے لئے ایک اتالیق کا درجہ ملا۔ اس کتاب نے عقائد واعمال اور تزکیۂ نفس کے اصول وفروع اور باطنی تربیت کے حصول کے طرق پر بحث کی اور اپنی وعد و وعید، حکیمانہ وعظ و پند اور سوز و گداز پیدا کرنے والی حکایات سے انقلاب برپا کیا۔ پوری امت نے اسے تلقی بالقبول بخشا (ہاتھوں ہاتھ لیا) حتیٰ کہ علامہ ابن جوزیؒ اور امام ابن تیمیہؒ جیسے ناقدین نے بھی اس کی افادیت اور قدر و قیمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ بقول ابوالحسن علی ندویؒ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صحاح ستہ اور چند دینی کتابوں کے استثناء کے ساتھ اس درجہ قبولیت، شہرت اور مرجعیت کسی اور کتاب کو نہ مل سکی۔ (ہاں! نظم میں مولانا رومؒ کی مثنوی کا مقام مسلم ہے)

امام غزالیؒ کے بعد تصنیفی اعتبار سے تصوف میں راسخ ترین شخصیت حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی ہو گزری ہے۔ آپ نے تصوف کی حقیقت، جو ستم ہائے زمانہ کے باعث دبیز (موٹے) پردوں تلے چھپ گئی تھی، کو نہ صرف آشکارا (ظاہر) کیا بلکہ اس میں تجدید و تہذیب (نئے سرے سے مرتب کرنا) اور تصحیح و تنقیح (درست کرنا، واضح کرنا) کا گراں قدر کارنامہ سرانجام دیا۔ آپؒ نے واضح فرمایا کہ طریقت کی کوئی شق قرآن و سنت سے متصادم نہیں بلکہ ماخذِ شریعت میں مذکور اصلاح و اخلاق کا نظام ہی طریقت و تصوف ہے۔ سلسلۂ تھانویہ کے مشائخ سے اللہ تعالیٰ نے فرد و معاشرہ کی اصلاح کا جو کام لیا ہے وہ محتاج بیان نہیں، ہمارے دیار میں معارف غزالیہ کے جامع اور سلسلہ تھانویہ کا العروۃ الوثقی (مضبوط کڑا) حضرت سیدی و مرشدی، ملجائی و مولائی ڈاکٹر فدا محمد صاحب عمت فیوضہم کی ذات گرامی ہے، آپ اپنے سلف کے طریق پر اصلاح و ارشاد کے لئے قلمی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہیں جن سے ایک خلقِ کثیر مستفید ہو رہی ہے۔

حضرت تھانویؒ کا کمال یہ تھا کہ آپ نے حقائقِ تصوف کی تسہیل کر کے ان کو اقرب الی الفہم بنایا۔ اس سلسلہ کے ''خلف'' میں ہمارے حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ کمال بخشا ہے کہ حقائقِ تصوف کی تسہیل میں نصوصِ شرعیہ کو اصل بنا کر تمثیل و تشریح میں بعض اوقات طبی فنون کے ناقابلِ انکار حقائق سے بھی کام لیتے ہیں۔ چونکہ آپ کے مسترشدین میں سے ایک کثیر تعداد میڈیکل سائنس سے وابستہ حضرات کی ہے، پھر ہر زمانے کا ایک مزاج و مذاق ہوتا ہے، اس لئے اس کے موافق تمثیلات سے مقاصد شریعت اقرب الی الفہم (سمجھنے کے قریب) ہو جاتے ہیں۔ آج امت کا ایک طبقہ تصوف سے بدکتا ہے اور آج کا دینی ذہن اور تعلیم یافتہ نوجوان مغرب کے سیاسی فلسفوں، اجتماعی و اقتصادی نظاموں اور زندگی و معاشرہ کی تنظیم جدید کے طریقوں سے متاثر ہو رہا ہے۔ اس طرزِ اصلاح اور مقاصدِ تصوف کے بیان سے ان لوگوں کے لئے بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ہمارے حضرت کی ایک انوکھی و البیلی تصنیف ''انسان گوشت پوست نہیں، سوچ فکر کا نام ہے'' اسی طرز کی آئینہ دار ہے۔ حضرتِ اقدس نے اس میں حقیقتِ انسان یعنی روح، نفس، عقل اور

قلب کے حقائق کو شرعی ماخذ پر طبی روشنی ڈال کر پیش کیا ہے۔ اس سے ان تمام باطنی اداروں کی کارکردگی، متعلقات، امراض اور ان کا علاج وغیرہ مباحث انتہائی سہل انداز میں سامنے آگئی ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے بندہ پر بہت سے نادر نکات کھلے خصوصاً یہ کہ قلب کی حقیقت روحانی ہے اور یہ مادی مضغہ محض کارکردگی کا محل ہے جس پر مجازاً قلب کا اطلاق ہوتا ہے۔ کتاب میں رذائل خصوصاً شہوت کے نمو اور ارتقاء پر طبی اصولوں کی روشنی میں ایسی بحث ہوئی ہے کہ غالباً آج تک اس سے تصوف کا تحریری ذخیرہ خالی ہی ہوگا۔ چونکہ عالمِ دنیا میں جسم اصل اور روح تابع ہے اس لئے انسان کی مادی حیثیت غالب رہتی ہے جو انسان کو روحانی تقاضوں سے غافل رکھ کر مادیت کی اندھیر نگری میں دھکیلتی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے تدریجاً انسان کی حقیقتِ روحانی کا ادراک و رسوخ بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ انسان کی حقیقی فلاح و تعمیر میں اس کے مادی حاصلات کا نہیں بلکہ سوچ و فکر اور عقل و قلب کی ایجابی و عملی (Practical) کارکردگی کا دخل ہے اور سوچ و فکر کی پامالی اور عقل و قلب کی منفی روش ہی دراصل حقیقتِ انسان کی پامالی ہے اگرچہ صورتِ انسان باقی رہے۔ کتاب کے مطالعہ سے امہاتِ رذائل (شہوت، حبِ جاہ و مال) کے حقائق، مفاسد اور علاج سے بھی بخوبی واقفیت ہو جاتی ہے اور تعمیرِ شخصیت کے جملہ پہلو بھی ہاتھ آجاتے ہیں، فللہ الحمد۔ یہ ایک میری طرح مبتدی طالب علم کی اس گراں قدر علمی تحفہ سے سطحی قسم کے استفادہ کی داستان ہے۔ اس کا حقیقی مزہ تو اہلِ علم ہی لوٹ سکتے ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا اور حقیقی پہلو اس کی تاثیر ہے جو اہلِ دل کی تحریروں کا اصل، مغز اور خاصہ ہوا کرتی ہے۔ ان کی سادہ سی چند سطریں بھی قلب و جگر چیرنے کے حالات بنا دیتی ہیں۔ ان میں طلاطم پیدا کر کے ان کی کایا پلٹ دیتی ہیں اور انسان کو اپنے صبح و شام اور اعمال و افعال کے احتساب پر مجبور کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ جب تحقیق و استناد، قرآن و سنت سے کامل مطابقت اور مشاہداتی و تجرباتی دلائل کی روشنی بھی آملے اور قلب کا سوز و گداز، ملت کا غم و درد، اس کی فلاح کی

تڑپ اور اصلاح کا جوش و ولولہ بھی قلم کو مہمیز بخشے تو نشہ دو آتشہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا کیف وسرور پڑھنے والا ہی محسوس کرتا ہے۔ یہی اس کتاب کی اصل متاع ہے۔ چاہئے کہ نونہالانِ اسلام کو سب سے پہلے اس کی تلقین کی جائے اور اہلِ نظر و دانش اصلاح و ارشاد کی مہمات میں اس سے استفادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کی اس کاوش کو قبول فرما کر تمام سلسلہ والوں کی نجات کا باعث بنائیں اور امتِ مسلمہ کو اس کے فیوضات و انوارات سے بہرہ مند فرمائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین.

(صفحہ نمبر ۱۷ سے آگے) ضرورت کے لئے نا کافی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے گیس نکال دی، وہ چل رہی ہے، پٹرول ہے ۔ سب انسانوں کی توانائی کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر کپڑے کا دارومدار روئی پر ہوتا تو ایک جوڑا کپڑا بھی بڑی مشکل سے ملتا۔ اور چمڑے پر دارومدار ہوتا جوتوں کا تو انسانوں کے پاس پہننے کے لئے ایک جوڑا بھی نہ ہوتا۔ اللہ کی شان کہ پٹرولیم کے نیچے جو جیلی نکلتی ہے اس سے ٹیٹرون وغیرہ بنتے ہیں۔ تو کپڑا پٹرول سے بننے لگا اور شاید سلیکون سے بھی بنتا ہے۔ پہلے زمانے میں جب کوئی بہت خاص مہمان آتا تھا تو اس کو مرغ کھلانا خاص اعزاز کی بات ہوتی تھی اور دسمبر جنوری کے مہینے میں انڈے کا ملنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اور اب جنابِ عالی! مرغیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، انڈوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ امریکہ کو گندم سمندر میں پھینکنی پڑتی ہے کیونکہ سنبھالنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ سمندر تک کے لے جانے (Transportation) کا خرچہ بچانے کے لئے غریب ممالک کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ گندم آپ آ کر مفت لے جائیں۔ اگر اُن کا اپنا فائدہ نہ ہوتا تو یہ مفت گندم کسی کو نہ دیتے۔ تو اتنی بہتات ہے کھانے پینے کی چیزوں کی۔ بلجیم اور ہالینڈ نے مرغیاں سمندر میں پھینکیں کیونکہ پیداوار بہت ہوگئی تھی اور استعمال کرنے والا کوئی نہیں تھا، اگر چھوڑتے تو مرتیں اور سڑتیں اور بدبُو اور تعفن پیدا ہوتا تو ان سے جان چھڑانے کے لئے سمندر میں پھینکا۔ تو اتنی کھانے پینے کی چیزوں کی بہتات ہوگئی۔ اور یہ جو قحط کے حالات آتے ہیں تو یہ انسانوں کی غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوتے ہیں ورنہ عام طور سے انسان کو فاقے کی نوبت نہیں آتی۔

(جاری ہے)

نمازیں

(قسط۔۳)

(قاضی فضلِ واحد صاحب)

ممنوع ومکروہ اوقات

نفلی نماز جب بھی پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے، ان اوقات کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اوقات کے متعلق یہ بات سمجھنی چاہئے کہ اوقات دو قسم کے ہیں۔(۱) ممنوع اوقات (۲) مکروہ اوقات۔

ممنوع اوقات:

اس سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں بالکل کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فرض نماز پڑھنا جائز ہے نہ قضاء نماز اور نہ ہی کسی قسم کے نوافل پڑھنا جائز ہے۔ ایسے اوقات تین ہیں۔

(۱) عین طلوعِ آفتاب کا وقت

(۲) زوالِ آفتاب کا وقت

(۳) عین غروبِ آفتاب کا وقت

البتہ اگر کسی نے اسی دن کی عصر کی نماز آفتاب کے غروب ہونے کے وقت تک نہ پڑھی ہو تو وہ پڑھ سکتا ہے۔ اگر کوئی چیز انہی تین اوقات میں واجب ہوئی ہو تو اسے کراہت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے مثلاً کوئی جنازہ ان اوقات میں پڑھا تو نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت ان اوقات میں جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

مکروہ اوقات:

اس سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے اوقات درج ذیل ہیں۔

(۱) طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھنا۔

(۲) فجر کی نماز پڑھ چکنے کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے تک کوئی نفل نماز پڑھنا۔

(۳) نمازِ عصر کے بعد آفتاب کے غروب تک نوافل پڑھنا۔

(۴) عیدین کے دن نمازِ عید سے قبل گھر یا عیدگاہ میں کسی بھی جگہ نماز پڑھنا۔

(۵) نمازِ عید پڑھ چکنے کے بعد عیدگاہ میں نوافل پڑھنا۔

(۶) جمعہ کے دن خطیب کے خطبہ شروع کرنے کے وقت سے فرض نماز سے فارغ ہونے تک۔

(۷) جب فرض نماز کے لئے اقامت کہی جارہی ہو تو اس وقت کوئی نفل نماز شروع کرنا۔

لیکن اگر نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو جب تک جماعت کی ایک رکعت ملنے کی امید ہو اس وقت تک فجر کی سنتیں جماعت والی جگہ سے علیحدہ کسی جگہ پر پڑھنا جائز ہے۔

(۸) حجاج کرام اگر ۹ ذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں ظہر، عصر کی نماز کو جمع کر کے پڑھیں تو ان دو نمازوں کے درمیان اور ان کے بعد کوئی نوافل پڑھنا۔

(۹) اسی طرح میدانِ مزدلفہ میں جب مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھا جائے تو ان دونوں کے درمیان کوئی نوافل پڑھنا۔

(۱۰) کسی نماز کا وقت اتنا کم رہ جائے کہ نفل یا سنت میں مشغول ہونے کی صورت میں فرض نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت کوئی نفل یا سنت پڑھنا۔

(۱۱) پیشاب، پاخانہ یا خروج ریح کے شدید تقاضے کے وقت کوئی نماز پڑھنا۔

(۱۲) بھوک شدید لگی ہو اور کھانا بھی سامنے آجائے اس وقت کھانا چھوڑ کر نماز میں مشغول ہونے کی صورت میں دل نماز سے زیادہ کھانے کی طرف متوجہ ہوتا ہو تو اس حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

البتہ اگر وقت کم ہو کہ کھانے میں مشغول ہونے کی صورت میں نماز کے قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر پہلے نماز پڑھنا چاہئے۔

(۱۳) مغرب کی نماز اس قدر تاخیر سے پڑھنا کہ تارے خوب ظاہر ہو جائیں۔

(۱۴) عشاء کی نماز بلا وجہ نصف شب کے بعد پڑھنا۔

نوٹ: طلوعِ فجر کے وقت سے طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد اگرچہ نوافل پڑھنا جائز نہیں لیکن ان اوقات میں قضاء شدہ نمازیں پڑھنا جائز ہے۔ (بحوالہ نفلی عبادات مفتی محمد انصر رؤف)

صبح صادق کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔ مغرب سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے مگر افضل نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل)

پانچ مکروہ اوقات میں دوگانہ طواف اور نفل نماز ممنوع ہے:

جمہور علماء کی تحقیق میں درج ذیل اوقات میں نماز اور دوگانہ طواف ممنوع ہیں۔

(۱) سورج طلوع ہونے کے وقت۔

(۲) دوپہر کو جب سورج سر پر ہو۔

(۳) سورج غروب ہونے کے وقت۔

(۴) صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک۔

(۵) عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک۔

ممانعت کی دلیل وہ متواتر احادیث ہیں جو تیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جن کا مشترک مفہوم ہے:

لاصلواۃ بعد الفجر حتی تطلع شمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس.

(صحاح ستہ بحوالہ نماز مدلل مولانا احمد ملتانیؒ)

فجر کی نماز سے لے کر سورج نکلنے تک کا وقت تو مکروہ نہیں البتہ اس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب سورج کا کنارا طلوع ہو جائے اس وقت سے لے کر سورج کی زردی ختم ہونے تک کا وقت مکروہ ہے۔ اس میں فرض، نفل، سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ سب منع ہے۔ ہاں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر و تسبیح، درود شریف اس وقت بھی جائز ہے۔

(بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۱۰۶، جلد ۲)

اوقاتِ ممنوعہ

نصف النہار

سورج نکلتے وقت، سورج ڈوبتے وقت اور ٹھیک دوپہر کو جب کہ سورج درمیان میں ہوتا ہے کوئی نماز پڑھنا یا سجدہ کرنا منع ہے۔ (عالمگیری) نماز جنازہ بھی۔ (مسلم)

صبح صادق کے بعد سوائے فجر کی دو سنتوں کے سورج نکلنے تک، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک (بخاری) خطبوں کے پڑھے جانے کے وقت، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن سورج نکلنے کے بعد سے عیدین کی نماز پڑھنے تک کوئی سنت یا نفل نماز پڑھنا یا نفلی سجدہ کرنا جائز نہیں۔ (تنویر الابصار)

البتہ قضاء نماز، نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت درست ہے (منیہ) لیکن عصر کی نماز کے بعد جب سورج کا رنگ بدل جائے اور دھوپ پھیکی پڑ جائے تو سابقہ جنازہ کی نماز اور سابقہ تلاوت کا سجدہ درست نہیں اور اسی وقت تلاوت کی ہو یا اسی وقت جنازہ حاضر ہوا ہو تو سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ درست ہے۔ (درمختار، شامی وغیرہ)

جائز ہونے کی صورت میں سجدۂ تلاوت اور قضاء نماز ایک طرف ہو کر پڑھے تو بہتر ہے۔ اعلانیہ پڑھنا یا اپنی قضاء نماز کا دوسروں سے ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(درمختار بحوالہ نماز کی کتاب مکمل مولانا اکرام الحق)

امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی صفحہ ۲۵ جلد اول پر باب ماجاء فی کراھیہ الصلواۃ بعد العصر وبعد الفجر کا عنوان قائم کیا ہے اس کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث درج کی ہے۔ اس کے بعد حسب معمول وفی الباب کے تحت ۱۸ صحابہ کرامؓ کے نام لکھئے ہیں جن سے فجر وعصر کے بعد ممانعتِ نماز کی حدیثین مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ کو شامل کرنے سے بیس نام بنتے ہیں۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد ۵ صفحہ ۷۶ پر ترمذی کی مذکورہ عبارات نقل کر کے پانچ ناموں کا اضافہ کیا ہے اور لکھا ہے وفی الباب ایضا عن سعد بن ابی وقاص وابی

ذرالغفاری وابی قتادۃ وابی الدرداء وحفصۃؓ۔

حافظ ابن حجر شافعیؒ نے تلخیص الحبیر صفحہ ۱۰۴ مع شرح المہذب پر امام ترمذیؒ اور علامہ عینیؒ کے مذکورہ بالا اسماء ذکر کر کے ایک نام کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے: وصفوانابن المعطل و غیرھم۔

اپنے دور کے عظیم محدث حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن شرح ترمذی صفحہ ۹۶، ۹۷ پر مذکورہ بالا اسماء کا ذکر کر کے چار ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ الغرض تیس صحابہ کرامؓ سے نماز فجر وعصر کے بعد نماز کی ممانعت کی حدیثیں مروی ہیں۔ اس لئے امام طحاویؒ، محدث ابن بطال مالکیؒ، علامہ مناویؒ، علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ، علامہ سیوطیؒ جیسے محققین علمائے اعلام نے نماز فجر وعصر کے بعد ممانعتِ نماز کی احادیث کو متواتر کہا ہے۔ (معارف السنن شرح ترمذی بحوالہ: نماز مدلل، فیض احمد ملتانیؒ)

مستحبات کی اہمیت

(از افادت عارف باللہ حضرۃ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمتہ اللہ علیہ)

فرمایا کہ مستحب لفظ 'حب' سے بنا ہے جس کے معنی محبت کے ہیں۔ لہٰذا مستحب وہ عمل ہے جس پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے سے بندہ اللہ کا محبوب ہو جائے گا اور محبت کی خاصیت یہ ہے کہ دونوں جانب سے ہوتی ہے اس لئے بندہ محبّ بھی ہو جائے گا۔ گویا مستحبات پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت ومحبوبیت دونوں حاصل ہو جائیں گی اور جس کو اللہ کی محبت حاصل ہو جائے اور وہ خود بھی اللہ کا محبوب بندہ ہو جائے گا تو اس سے بڑا اعزاز عالم امکان میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ کسی بھی مستحب کو چھوڑنا نہ چاہئے کہ اس سے محرومی کا اندیشہ ہے۔ خصوصاً مستحبات کو ادنیٰ اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دینا تو بڑی خطرناک بات ہے۔ اگر مستحبات پر عمل کرنے سے کوئی عذرِ معقول پیش آ جائے تو جس قدر بھی آسانی سے ممکن ہو اتنا ہی عمل کر لیا جائے۔ چھوڑا نہ جائے۔

فرمایا کہ بزرگوں کا قول ہے کہ مستحبات ترک کرنے والا رفتہ رفتہ سنتوں کو ترک کر بیٹھتا ہے

اور سنتوں کو چھوڑ دینا واجب کے چھوڑ دینے کا پیش خیمہ ہے اور واجبات کو چھوڑنے والا کسی نہ کسی وقت فرائض کو چھوڑ بیٹھے گا، جو اس کے لئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب ہے۔

فرمایا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی تو ہر مسلمان کے ذمے لازم ہے ہی اور وہ حقِ عبدیت ہے لیکن نوافل و مستحبات حقِ محبت ہے اور ان کی کبھی ناقدری نہیں کرنی چاہیئے بلکہ حتی الوسع ان کی انجام دہی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ (بحوالہ محاسن اسلام ستمبر ۲۰۰۸ء)

فرمایا کہ بعض لوگ مستحبات کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ فرض و واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں فرض و واجب نہیں مستحب تو ہیں، مستحبات کرنے کے لئے ہوتے ہیں یا چھوڑنے کے لئے ہوتے ہیں! یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مستحبات چھوڑنے کے لئے ہوتے ہیں؟ مستحبات تو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عطیہ ہے، دیکھئے یہ لفظ مستحب 'حُب' سے بنا ہے، جس چیز کا مادۂ اشتقاق ہی حب ہو وہ معمولی چیز کیسے ہو سکتی ہے؟

فرمایا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اور مستحبات پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ مستحبات کو معمولی چیز سمجھ کر ان میں سستی نہ کرنی چاہیئے مثلاً تحیۃ المسجد اور ماثورہ دعائیں وغیرہ۔ جب تک ان امور کا اہتمام نہ ہوگا آپ سالک ہو سکتے ہیں نہ صوفی۔

(بحوالہ محاسن اسلام ستمبر ۲۰۰۸ء)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحبات و سنن کی ترغیب دی ہے بلکہ اگر احادیث کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و واجباست سے زیادہ سنن و مستحبات کی ترغیب و بیانِ فضائل کا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ واجبات تو لوگ خود ہی کرتے ہیں، ان کے لئے زیادہ ترغیب کی ضرورت نہ تھی اور سنن و مستحبات کا لوگ اہتمام نہیں کرتے جبکہ ہیں ضروری بھی اور مفید بھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زیادہ اہتمام فرمایا اور اسی واسطے مشائخ نے بھی مستحبات کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔

(بحوالہ خطباتِ حکیم الامت، جلد ۱۴، صفحہ ۲۳۱، جزا و سزا، وعظ المعرق والرحیق)

ایک واقعہ

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ اپنے مکان سے دارالعلوم کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ اجلاس مغرب کے متصل بعد ہونا تھا۔ مغرب کا وقت راستے ہی میں ہوگیا اور ہم نے راستے کی ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ لی۔ چونکہ اجلاس میں شرکت کی جلدی تھی اس لئے صرف سنت مؤکدہ پر اکتفاء کرلیا اور صلوٰۃ الاوابین پڑھے بغیر روانہ ہوگئے (اوابین ان چھ رکعات پر مشتمل نوافل کو کہتے ہیں جو مغرب کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور ان کی بڑی فضیلت آئی ہے) اجلاس کے اختتام پر وہیں عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے پوچھا: ''تقی میاں! آج اوابین کا کیا ہوا؟'' احقر نے عرض کیا کہ حضرت آج جلدی کی وجہ سے رہ گئیں۔ فرمایا کہ کیوں رہ گئیں، اس وقت نہ پڑھ سکتے تھے تو عشاء کے بعد پڑھ لیتے۔ آج مجھ سے بھی اپنے وقت کی اوابین ادا نہ ہوسکی تھیں لیکن الحمدللہ میں نے عشاء کے بعد چھ رکعات مزید بطور تلافی ادا کیں اور معمولاً ایسا ہی کرتا ہوں۔

(مآثر عارفی بحوالہ محاسن اسلام ستمبر ۲۰۰۴ء)

(جاری ہے)

تصحیح

اسی مضمون کی گزشتہ قسط نومبر ۲۰۱۴ء میں مندرجہ ذیل جگہوں پر کتابت کی غلطی ہوگئی تھی۔ قارئین حضرات نوٹ فرمالیں۔

(۱) صفحہ نمبر ۲۶ پر 'سنتِ غیر مؤکدہ' کے عنوان کے ذیل میں 'سنت مؤکدہ' لکھ دیا گیا جسے 'سنتِ غیر مؤکدہ' پڑھا جائے۔

(۲) صفحہ نمبر ۲۹ پر نمازِ عشاء کی رکعات کی تفصیل میں 'چار رکعات فرض' کے بعد 'دو رکعات سنتِ مؤکدہ' لکھنا رہ گیا۔ اس کا اضافہ فرمالیں۔

نیوایئرنائٹ ...... بداعمالیوں کی سیاہ رات (آخری قسط)

(مولانا محمد طفیل صاحب، مدرس مظاہر العلوم و مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

نیو ایئر نائٹ کا آغاز

اس سے قبل تو تھا نئے سال کے پہلے دن پر منائے جانے والی تقریبات کا تذکرہ۔ آج کل ہمیں جس نئی مصیبت کا سامنا ہے وہ ہے رات کو منائی جانے والی تقریبات۔ عید الفطر کا چاند نظر آتے ہی لوگ روزوں کے اختتام پر رب العزت کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے بازاروں اور مارکیٹوں کا رخ کر لیتے ہیں، وہ رات جسے آنحضرت ﷺ نے "لیلة الجائزه" یعنی انعام والی رات فرمایا ہے، بازاروں کے معصیت زدہ ماحول میں خرچ ہو جاتی ہے۔ بچے، جوان، عورتیں اور بوڑھے ایسے نکل آتے ہیں جیسے جیل سے خلاصی ملی ہو۔ دوسری طرف دکانداروں نے بھی موسیقی کا طوفان برپا کر رکھا ہوتا ہے گویا عید الفطر کے چاند ہی کا انتظار تھا۔ غرض ساری رات گناہوں کے طوفان میں گزار دی جاتی ہے۔

اسی طرح نئے سال کے آغاز پر بھی ہونے لگا ہے۔ پہلے "نیو ایئر ڈے" کی لعنت تھی اور اب سال کے آخری دن یعنی ۳۱ دسمبر کو ہوٹل بک ہو جاتے ہیں، جہاں ڈانس پارٹیوں اور عیاشی وفحاشی کی محفلوں میں نئے سال کا استقبال ہوتا ہے۔ دوسری طرف بازار ساری ساری رات کھلے رہتے ہیں اور ان بازاروں میں مردوزن کے مخلوط جمگھٹوں کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ فارم ہاؤس اور پارک بھی اس رات ان جوڑوں سے اٹے پڑے ہوتے ہیں اور وہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی ہوشمند کے لئے پردۂ اخفا میں نہیں۔

نیو ایئر ڈے کے ساتھ نیو ایئر نائٹ کا زہر کب سے ملنا شروع ہوا، اس بارے میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں برطانیہ رائل نیوی نے اپنے جہازوں پر "نیو ایئر

نائٹ“ کا آغاز کیا۔ یہ آغاز اتفاقی تھا مگر اہلِ مغرب کی مواظبت (پابندی) نے اسے مغربی ثقافت کا جزء لاینفک (علیحدہ نہ ہونے والا جزو) بنا دیا۔ برطانوی فوجی جب طویل ترین سمندری اسفار سے تنگ آ جاتے تو از راہِ دلچسپی مختلف قسم کی تقریبات منعقد کرتے اور اپنی اُکتاہٹ کو رفع کرنے کا سامان پیدا کرتے۔ ان تقریبات میں جنسی تسکین اور تھکاوٹ دور کرنے کا تمام سامان موجود ہوتا تھا۔ بالفاظِ دیگر ان میں رقص وسرور اور شراب وکباب مرکزی حیثیت کے حامل تھے۔ برطانوی فوجی ان تقریبات کے لئے پہلے پہل سالگروں کے ایام، کرسمس ڈے اور معروف مذہبی تہواروں کے دن استعمال کرتے تھے لیکن ان کی سفری مصروفیات میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے یہ دن ناکافی تھے۔ جب یہ تمام دن ختم ہو جاتے تو وہ بیٹھ کر سوچنے لگتے کہ کس طرح کوئی نیا موقع پیدا کیا جائے جو تقریب منعقد کرنے کا سبب بن جائے۔ وہ کوئی چھوٹا موٹا پروگرام منعقد کر لیتے لیکن اس سے ان کی آتشِ شوق سرد نہ ہو پاتی۔ وہ اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا ٹھوس موقع دریافت ہو جائے جس پر باقاعدہ تعطیل اور تقریب کا جواز فراہم ہو سکے۔ یوں انہوں نے ”نیوایئر نائٹ“ کا انتخاب کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

یہ لوگ جہازوں پر محفل کا انعقاد کرتے، شراب وشباب کا دور چلتا، رقص وموسیقی کی مجلس سجائی جاتی، جب نشہ دماغ پر پوری طرح چڑھ جاتا تو روشنیاں گل کر دی جاتیں، جام وصراحی باہم ٹکراتے اور ٹھیک بارہ بج کر ایک منٹ پر ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد پیش کی جاتی۔ رفتہ رفتہ یہ رسم ”رائل نیوی“ کے جہاز سے دیگر جہازوں پر منتقل ہوئی اور تمام لوگ اس کے حصار میں جکڑنا شروع ہو گئے۔ اس میں شہوانی چسکے کا سامان اس قدر تھا کہ جلد ہی یہ فوجی جہازوں سے خشکی پر منتقل ہو گئی اور نیوی کے اعلیٰ افسران نے اسے بطور تہوار منانا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے اسے اسکاٹ لینڈ (Scotland) کے شہر ایبرڈین (Aberdeen) کے ایک معروف ساحل پر منعقد کیا گیا۔ غالباً یہ ۱۹۱۰ء کی ”نیوایئر نائٹ“ تھی۔ اس پروگرام کی وقعت کا

اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ماہِ اکتوبر اور نومبر اس کی تیاری میں صرف ہوئے۔ نیوی کے اعلیٰ افسران اپنی بیگمات اور گرل فرینڈز کے ساتھ ساحل پر جمع ہوئے۔ عام فوجیوں کے لیے فاحشہ عورتیں لانے کی کھلی اجازت دی گئی۔ ساری رات سمندر کے کنارے فحاشی اور عریانی کا وہ طوفان برپا رہا کہ جس نے سمندر کے خروش کو بھی ہیچ کر دیا۔ کھلے عام جوا کھیلا گیا، شراب اس کثرت سے پی گئی کہ صبح سویرے سورج کی تپش نے ریت کو گرما کر بیداری کا سبب پیدا کیا، رقص وسرور کی مجلس آدھی رات تک گرم رہی، ہر شخص کو اپنا جوڑا مہیا تھا، لہٰذا شراب وشباب کی آمیزش نے اس بے ہودہ رسم کو مزید ہوا دی اور اس سال کی یہ سیاہ رات یادگار بن گئی۔

(اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام، ص:٦٣)

نیو ایئر نائٹ کا دستور مغرب کے مادر پدر آزاد ماحول میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا اور اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں چھوٹے بڑے ساڑھے سات ہزار شہروں کے باسی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

"نیوایئر نائٹ"... موجودہ حالت

ان تقریبات میں سب سے بڑی تقریب جرمنی کے شہر برلن میں منعقد ہوتی ہے جس میں پندرہ لاکھ سے زیادہ جوڑے شریک ہوتے ہیں۔ پہلے پہل ناچ گانا ہوتا ہے، پھر برف کی سلوں پر مخلوط رقص پیش کیا جاتا ہے اور جب شراب کا دور چلتا ہے تو روشنیاں گل کردی جاتی ہیں، گھپ تاریکی میں بارہ بجکر ایک منٹ پر نئے سال کی مبارک باد کے ساتھ تاریک کھیل انجام پاتے ہیں اور مردوزن کے درمیان وہ طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اسی طرح کی تقریبات امریکہ کی ریاستوں میں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ برطانیہ بھی یہ رسم منانے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ امریکہ وبرطانیہ میں تو شراب کا استعمال تمام یورپی ممالک سے زیادہ ہے۔ اسی طرح فحاشی اور عریانی میں بھی ان کا گراف بڑھا ہوا ہے، اس لئے ان کے ہاں ان

تقریبات کا نشہ کچھ اور زیادہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کے لاکھوں جوڑے ان تقریبات میں شریک ہوتے ہیں اور غالباً اس دن ساری دنیا کے برابر ہوسنا کی صرف امریکہ میں ہوتی ہے۔اسی طرح تمام تقریبات کے برابر شراب برطانیہ میں پی جاتی ہے۔ان یورپی ممالک میں منعقدہ یہ تقریبات کئی ٹی وی چینلز پر بھی دکھائی جاتی ہیں۔ظاہر ہے کہ ان میں ریکارڈ فحاشی اور عریانی ہوتی ہے، ہمارے ملک میں کیبل اور ڈش کے رسیا ان پروگراموں کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح یہ ناسور بالواسطہ ہمارے معاشرے میں گھروں کے اندر تک پہنچ چکا ہے۔

''نیوایئر ڈے'' کی پاکستان آمد

اس قبیح رسم نے ۱۹۸۰ء کے بعد مشرق کا رخ کیا وگرنہ اس سے قبل مشرقی معاشرہ اس ناسور سے پاک تھا۔مشرق کی رگوں میں سرایت کرتے کرتے یہ ۱۹۹۰ء کے بعد پاکستان میں آ پہنچی ۔۱۹۹۲ء میں پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں اس کا انعقاد ہوا۔شاید اس سے قبل اس کا دائرہ چند افراد تک محدود تھا جو اسے انفرادی طور پر مناتے تھے لیکن اس دفعہ یہ مخصوص طبقہ اجتماعیت کے دھارے میں آ کر ہوٹل میں جمع ہوا۔ چند سالوں تک یہ اعلیٰ طبقوں میں پھیل گیا۔ یہ لوگ کسی ہوٹل میں جمع ہو جاتے ،اس ہوٹل کے ہال پہلے سے بک کر لئے جاتے ،اعلیٰ کھانے تیار کرنے کے آرڈر دے دیئے جاتے ،اپنے ہم خیال لوگوں کو دعوتیں دے دی جاتیں ،اعلیٰ قسم کی شراب منگوالی جاتی اور رقص و موسیقی کے لیے مشہور طوائفوں کو بلایا جاتا۔ یہاں رقص و شراب کی محفل سجائی جاتی اور یہ لوگ دو تین گھنٹے خرمستیوں میں گزار کر چھٹ جاتے۔ ان لوگوں کی دعوتوں پر بعض دیگر طبقات نے بھی ان تقریبات میں شرکت شروع کر دی۔ پہلے پہل یہ شرکت محض شرکت ہی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد خود انہوں نے اہتمام شروع کر دیا جبکہ انفرادی طور پر منانے والے تو بے شمار ہیں۔

فحاشی اور عریانی کے ساتھ ساتھ ''نیو ایئر نائٹ'' کا ایک اور نقصان دہ پہلو حادثات ہیں۔

جن ساحلوں اور ہوٹلوں میں یہ تقریبات منائی جاتی ہیں وہاں شراب کے نشے میں مخمور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری اور آبروریزی سے بھی نہیں کتراتے۔ یوں مخلوط اجتماعات کے سنگین ترین اور خوفناک نتائج سامنے آجاتے ہیں۔ کھیل کود اور رقص کے دوران بھی وہ ہلڑ بازی مچتی ہے کہ لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس رات چونکہ آتش بازی اور فائرنگ کا قبیح رواج بھی چل پڑا ہے، جس سے لوگوں کے جلنے اور ہلاک ہونے کے واقعات کثرت سے رونما ہورہے ہیں۔ کئی دفعہ دھکم پیل میں پیروں تلے روندے جانے اور سمندر میں گر کر ہلاک ہونے کے سنگین واقعات وقوع پذیر ہوچکے ہیں۔ ان حادثات کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقصد، کیونکہ ہر سال اخبارات میں ان حادثات کی مفصل رپورٹیں شائع ہوتی ہیں جو مذکورہ نقصانات پر شاہد ہیں۔

ان تقریبات اور رسومات میں شراب نوشی، جوا اور دیگر مفاسد کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے۔ وطنِ عزیز میں شراب کا اس طرح کھل کر استعمال ہمارے لئے یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ دوسری طرف جوئے کے بازار نے کئی گھرانوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ لوگ اس رات اپنے گھروں کا سارا سارا سامان ہار بیٹھتے ہیں حتیٰ کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ الامان والحفیظ......

یہ تمام تر مفاسد ہماری نوجوان نسل اور ملک وملت کی تباہی میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

دردِ دل

وطن عزیز میں نوجوان نسل کی اس بے راہ روی کے لئے ایسے مواقع فراہم کرنا روشن خیال امیرِ شہر کے دستور کا حصہ بن چکے ہیں حالانکہ بداعمالیوں کی یہ سیاہ رات ہماری مشرقی روایات کے سینے میں پیوست ہونے والا وہ زہر آلود خنجر ہے جس کے گھاؤ کا کوئی مداوا نہیں۔ ارباب بست و کشاد کو تو یہ چاہئے کہ وہ اپنی نوخیز نسل پر رحم کھاتے ہوئے اس کا نوٹس لیں کیونکہ جس قوم کے معماروں کے ہاں ہر سال کا استقبال بے حیائی و بے غیرتی کی تند و تیز موجوں سے ہو وہ کیوں کر اقوامِ عالم میں اپنی ساکھ باقی رکھ سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اہم ذمہ داری تعلیمی اداروں کے اربابِ اختیار پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ تعلیمی اداروں ہی سے لوگ بنتے اور بگڑتے ہیں۔ لہٰذا خداوندانِ مکتب، چاہے وہ دینی اور مذہبی تعلیمی اداروں سے متعلق ہوں یا عصری تعلیمی اداروں سے، معمارانِ وطن کی ذہنی اور فکری تربیت ان خطوط پر کریں جو مملکتِ خداداد کی بنیادوں کو محکم اور مضبوط کرنے والے ہوں۔ یہ نسل جب ان اداروں سے نکلے تو ایک مشن کے تحت اپنے ملک وملت کی خادم بنے، نہ کہ مغرب کے طوفانوں کے سامنے ریت کی دیوار بن کر ڈھے جائے اور اپنے وطن اور ملت کے پاکیزہ اور مشرقی معاشرے کو یورپی تہواروں کے دلدل میں غرق کردے۔

والدین کی خدمت میں بھی یہ دردِ دل پیش کیا جاتا ہے کہ خدارا! اپنی اولاد پر رحم کھائیں اوران کے لئے ایسی ملعون تقریبات میں شرکت کی راہیں ہموار نہ کریں، بلکہ ایسے اسباب وعوامل کا قلع قمع کردیں جو آپ کی اولاد کو اس ڈگر پہ ڈالنے والے ہوں۔ اگر آپ ان رسومات کو اپنی اولاد اور پورے معاشرے کے لئے مضر نہیں سمجھتے تو یہ بصیرت اور فراست کی کمزوری ہے اور اگر اسے معاشرے اور خصوصاً نوجوان نسل کے لئے مضر سمجھا جاتا ہے تو پھر اس ضررِ عام کو برداشت کرنا حکمت اور دانائی کے خلاف ہے کیونکہ ان چیزوں کا رواج انسانیت کے زوال اور انحطاط کی علامت بلکہ انسانی پستی اور گراوٹ کا آخری نقطہ ہے جس کے بعد خالص حیوانیت کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مغرب کی ان بے ہودہ رسموں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ (آمین)

اطلاع

انشاء اللہ آئندہ ماہانہ اجتماع بروز ہفتہ ۱۴ فروری ۲۰۱۵ء کو خانقاہ میں منعقد ہوگا۔

بیان عشاء کی نماز کے بعد ہوگا۔